نیّرمسعود بطور مبصّر

Naiyer Masud As Review Writer

[i] اسد عباس عابد

Abstract:

In modern times review writing has become a very important part of literature and its criticism. Naiyer masud is very much known as short story writer and researcher but one hidden aspect of his literary genius is review writing. In these reviews his critical ideas and literary prospective find a way to usher his thoughts among readers. Naiyer Masud has written reviews on numerous books of literary relevance which unfold their multiple aspects.in this research article an effort has been made to highlight the review writing of Naiyer Masud and its literary importance.

Keywords: *Review Writing, Literary Dimensions, Writerly Haste, Literary Trends, Poetic Greatness.*

دورِ حاضر میں تبصرہ نگاری نے ادبی و تخلیقی نگارشات کی دور رس تفہیم کو ممکن بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نیّر مسعود کو بطور افسانہ نگار اور محقق جانا جاتا ہے، لیکن اُن کے ادبی نابغے کا ایک پوشیدہ پہلو اُن کی تبصرہ نگاری بھی ہے جس سے اُن کی تنقیدی اپج اور ادبی افکار قارئین پر منکشف ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے ادبی اہمیت کی کثیر کتب پر تبصرے تحریر کیے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں نیّرمسعود کی تبصرہ نگاری کے متنوّع پہلوؤں کو سامنے لانے کی مساعی کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: تبصرہ نگاری ، ادبی جہات ، ادبی عجلت و کسالت ، ادبی رجحانات ، شعری عظمت۔

ادب کی دنیا میں نیّر مسعود اپنا تعارف محقق اور نقاد کے طور پر کرواتے ہیں، اس پہچان کے مستحکم ہو جانے کے بعد وہ افسانہ نگاری کی طرف بہت غیر یقینی انداز میں آتے ہیں۔ ''رویانسیج'' کے فرضی نام سے وہ رسالہ ''شب خون'' میں اپنا افسانہ ''نصرت'' چھپواتے ہیں، مگر یہ غیر یقینی ایسے یقین میں بدلی کے آج تک اس نوع کا افسانہ صرف اور صرف نیّر مسعود کی ہی پہچان ہے۔ محقق، نقاد، افسانہ نگار، مترجم کے طور جانے کے ساتھ ہی نیّر مسعود اسی دور میں ایک مبصّر کے طور پر بھی اپنا تعارف کرواتے ہیں۔ دوسری جہات کے ساتھ ہی ان کے ہاں یہ جہت بھی بہت اہم ہے۔

نیّر مسعود کی ادبی جہات میں ایک اہم جہت تبصرہ نگاری کی ہے کہ انھوں نے مختلف کتابوں کے دیباچے، بیک فلیپ یا کئی کتابوں پر تبصرے بھی لکھے ہیں۔ یہاں نیّر مسعود کو بطور مبصّر دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اس جہت میں کیا انفرادیت قائم کر سکے ہیں۔ تبصرہ نگاری بھی جدید اصناف میں شامل ہے مگر ماضی میں

[i] اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو اور مشرقی زبانیں، یونیورسٹی آف سرگودھا

دیکھیں تو اس کی ایک شاندار روایت بھی ملتی ہے۔ مرزا غالب، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، نیاز فتح پوری، فرمان فتح پوری، مولوی عبدالحق، علامہ ماہر القادری، ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، آل احمد سرورؔ جیسے ادیبوں نے بہت اہم کتابوں پر بہت اہم تبصرے لکھے ہیں۔ آج کل عموماً یہ رواج ہے کہ تبصرہ ذاتی تعلقات کی بنا پر بڑی شخصیت سے لکھوالیا جاتا ہے جو صرف اور صرف کتاب کے چھپنے کی اطلاع اور مبہم سا تعارف ہوتا ہے۔ تن آسانی کے باعث مبصّر کتاب کو پڑھنے کی زحمت نہیں کرتا۔

عموماً تقریظ اور دیباچہ میں تبصرہ شامل ہوتا ہے، مگر باقاعدہ تبصرہ نگاری کے فن کے ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ تقریظ اور دیباچہ کتاب میں شامل ہوتا ہے، جس میں کتاب کے کمزور پہلوؤں سے غفلت برتی جاتی ہے جب کہ تبصرہ کتاب کی اشاعت کے بعد شائع ہوتا ہے اور اس میں کتاب کے تمام پہلوؤں پر بات کی جاتی ہے۔ ماضی میں یہ روایت بھی رہی ہے کہ کتاب کی دوسری یا تیسری اشاعتوں میں پہلے والے تبصروں کو شامل کر لیا جاتا تھا۔

تبصرہ کرنے کے لیے مبصّر کے لیے ضروری ہے کہ کتاب کا مطالعہ براہ راست خود کرے، اگر اسی مرحلے میں ملاوٹ ہو گی تو بس تبصرہ نگاری کا عمل غارت ہو جائے گا۔ کتاب کا تعارف تبصرہ نگار کا ہی فرض ہے تو مبصّر کو چاہیے کہ اہم نکات پر خوب روشنی ڈالے، کتاب کا موضوع، مقصدِ تالیف، اندازِ تالیف پر مبصّر کی گہری نظر ہونی چاہیے۔ مختلف سطح کی کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے تبصرہ بھی مختلف انداز میں ہونا چاہیے۔ اگر کتاب تخلیقی ہے تو دیکھنا پڑے گا کہ متن میں سرقہ تو نہیں شامل، اگر مرتبہ ہے تو بھی اس کے تدوینی مراحل کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ تبصرہ کرتے وقت مصنف، ناشر، کتاب کی ضخامت، قیمت، ملنے کا پتہ یہ بنیادی معلومات فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ تبصرہ کے خاکے میں تمہید، ارتقا، اور خاتمہ جیسے اجزا کا خیال رکھنا چاہیے۔

تیّر مسعود نے تبصرہ نگاری کے عمل میں ایک کھرے اور سچے محقق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اُنھوں نے کتاب کے محاسن بیان کرنے میں کتاب کے کمزور پہلوؤں کی طرف بھی اشارہ کیا اور تبصرہ کرتے وقت وہ جو نکات بیان کرتے ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب کا مطالعہ کرکے بات کرتے ہیں۔ تبصرہ اور تنقید کی سرحدیں ملنے میں دیر نہیں لگتی اور پھر تیّر مسعود ایک نقاد بھی ہیں مگر انھوں نے اس امتیاز کو بہت حد

تک ملحوظ خاطر بھی رکھا۔ یہاں یوسف سرمست کی ایک رائے ملاحظہ فرمائیں:

> ''تبصرہ نگاری متعارف کروانے کا دوسرا نام ہے تعارف کروانے میں بڑے رکھ رکھاؤ اور سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک آپ خود کسی شخص سے پوری طرح واقف نہ ہو جائیں، کسی دوسرے سے اس کا تعارف کروانا درست نہیں ہو گا۔'' (۱)

ذیل میں ایک ممکنہ فہرست پیش کیا جا رہی ہے جس میں تیر مسعود کے تبصروں کے بارے میں معلومات مل سکتی ہے۔

۱۔ تنقیدی مطالعے۔انور سیلونی۔ تبصرہ: تیر مسعود۔ "نیا دور" (لکھنؤ، مئی ۱۹۶۸ء)

۲۔ لفظ و معنی (شمس الرحمٰن فاروقی، تبصرہ: تیر مسعود) کتاب، شمارہ ۳۷ (لکھنؤ، ستمبر ۱۹۶۹ء)، ص ۸۱ تا ۸۲۔

۳۔ غالب کا فن، مبصّر: تیر مسعود۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹۔ جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۲ تا ۷۳۔

۴۔ پیغمبرانِ سخن (مبصر: تیر مسعود)۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹، جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۳ تا ۷۵۔

۵۔ انیسویں صدی میں بنگال میں اردو۔ (مبصر: تیر مسعود)۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹، جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۵ تا ۷۶۔

۶۔ جگر بریلوی شخصیت اور فن۔ (مبصر: تیر مسعود)۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹، جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۶۔

۷۔ بڑی حویلی۔ (مبصر: تیر مسعود)۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹، جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۷، ۷۶۔

۸۔ محمد علی جناح۔ (مبصر: تیر مسعود)۔ "شب خون"، ماہنامہ، شمارہ ۵۹، جلد ۵ (الہ آباد، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۷۔

۹۔ میر اور میریات (صفدر آہ، تبصرہ: تیر مسعود)۔ کتاب، شمارہ ۱۱۴ (لکھنؤ، اپریل ۱۹۷۳ء)، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱۔

۱۰۔ دیوانجلی۔ ساغر مہدی (مبصر: تیر مسعود)۔ "کتاب، (الوداعی شمارہ)" (لکھنؤ، ۱۹۷۵)

۱۱۔ ہنوز شیشہ گراں۔ کیسری کشور (مبصر: تیر مسعود)۔ "بمبئی، ۷ جولائی ۱۹۷۹ء)

۱۲۔ سب سے چھوٹا غم۔ عابد سہیل (مبصر: تیر مسعود)۔ "نیا دور"، ماہنامہ، (لکھنؤ، ۱۹۷۹ء)

۱۳۔ تلاش دبیر (کاظم علی خان کی کتاب: تبصرہ تیر مسعود)، آج کل، سہ ماہی، شمارہ ۳، جلد ۳۹ (نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۸۰ء)، ص ۴۷تا۴۸۔

۱۴۔ اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا۔ اکبر حمیدی کشمیری (مبصر: تیر مسعود)۔ "ہماری زبان"، (نئی دہلی، ۲۲ مئی ۱۹۸۲ء)

۱۵۔ عکس زار علی احمد دانش۔ (مبصر: تیر مسعود)۔ "نیا دور"، (لکھنؤ، جون ۱۹۹۰ء)، ص ۴۶تا۴۷۔

۱۶۔ فسانہ عجائب۔ مرتبہ رشید حسن خاں (مبصر: تیر مسعود)۔ "کتاب نما"، (نئی دہلی، اگست ۱۹۹۰ء)

۱۷۔ ڈاکٹر زہرہ یاسمین کا تھیسس (منیر شکوہ آبادی۔ سوانح حیات و کلام)۔ "معیار و تحقیق (۲)"، (پٹنہ، ادارہ تحقیقاتِ اردو، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۶۳تا۷۶۶۔

۱۸۔ ڈاکٹر محمد حسن کا تھیسس (لکھنؤ کی ادبی اور لسانی خدمات)۔ "معیار و تحقیق (۲)"، (پٹنہ، ادارہ تحقیقاتِ اردو، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۶۷تا۷۷۲۔

۱۹۔ ڈاکٹر مشیر الحق۔ (تبصرہ: تیر مسعود)۔ "نیا دور"، (لکھنؤ، جولائی ۱۹۹۴ء)

۲۰۔ کنجلی۔ (تبصرہ: تیر مسعود)۔ "سفر کونوں کا"، ماہنامہ، (لکھنؤ، اگست ۱۹۹۴ء)

۲۱۔ مصطلحاتِ ٹھگی۔ (رشید حسن خان۔ مبصر: تیر مسعود) اردو ادب (ایڈورڈ سعید نمبر)، سہ ماہی، شمارہ ۳۲۲ (نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، ہند، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۳ء)، ص ۱۶۵تا۱۷۰۔

۲۲۔ ٹیپو سلطان کی ایک یادگار اضافہ "بحر المنافع"۔ مخزن (شمارہ مسلسل ۸)، شمارہ ۲، جلد ۴ (لاہور، قائدِ اعظم لائبریری، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۱۷تا۱۲۱۔

۲۳۔ زرد زرخیز۔ زیب غوری (تبصرہ)۔ "جواز"، (مالیگاؤں، س ن)

۲۴۔ دھواں دھواں۔ نسیم نکہت۔ (مبصر: تیر مسعود)

۲۵۔ عزیز لکھنوی۔ ڈاکٹر مسعود ردولوی۔ (مبصر: تیر مسعود)۔

تیر مسعود کے ہاں سب سے پہلے جس کتاب پر تبصرہ ملتا ہے وہ انور سیلونی کی کتاب "تنقیدی مطالعے" ہے، اس کے بعد شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب "لفظ و معنی" ہے۔ یہ تبصرہ رسالہ "کتاب" شمارہ ۳۷، ستمبر ۱۹۶۹ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس تبصرہ میں تیر مسعود نے اپنے دوست شمس الرحمٰن فاروقی کا

تعارف صرف ایک جملے میں کرایا ہے اس سے آگے کتاب "لفظ و معنی" کے مشمولات کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہاں مضامین کے انتخاب میں موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مضامین کی تعداد بتائی گئی ہے۔ مشمولات میں شمس الرحمٰن فاروقی کی مغربی ادب سے شناسائی کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ "مغربی ادب میں جدیدیت کی روایت" اور "ٹی۔ایس۔ایلیٹ: شاعر اور مصلح" یہ دو مضامین ہیں جن سے شمس الرحمٰن فاروقی کی مغربی ادب سے وابستگی کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے۔

تیّر مسعود نے ہر مضمون کے انتخابی تناظر میں شمس الرحمٰن فاروقی کے ذہنی میلان کو بھی مدِ نظر رکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے "لفظ و معنی" کے تعارف اور تبصرہ میں عجلت اور تن آسانی سے کام نہیں لیا۔ فاروقی کا مضمون "سید خواجہ میر درد" ایک ایسا مضمون ہے جس میں اردو کے ایک قدیم شاعر کے فکری فنی محاسن پر بات کی گئی ہے۔ اس بارے میں تیّر مسعود کی ایک رائے ملاحظہ فرمائیں:

> ''فاروقی مروجہ اعتقاد کے برخلاف دردؔ کی صوفیانہ شاعری کو اردو کی عام صوفیانہ شاعری کے مقابلے میں کوئی امتیازی حیثیت نہیں دیتے کیوں کہ وہ درد کے یہاں تفکر اور اس کی تشکیک کو تصوف اور اس کے وجد و حال پر حاوی قرار دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اُن کا خیال ہے کہ دردؔ اور غالبؔ کم و بیش ایک ہی رنگ کے شاعر ہیں اس لیے کہ دونوں کے سوچنے اور متاثر ہونے کے انداز تقریباً یکساں ہیں، اور ان دونوں شاعروں کے استعاروں اور شعری پیکروں میں بڑی مماثلت۔'' (۲)

اس کے بعد اس کتاب میں تیّر مسعود نے جس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے وہ "ادب پر چند مبتدیانہ باتیں" کے عنوان سے ہے جس میں فاروقی نے ادب کی تعریف کے متعلق اپنے تجربات اور احساسات کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کے سب سے اہم مضامین وہ ہیں جن میں شمس الرحمٰن فاروقی نے اردو کی نئی شاعری اور جدید ادبی مسائل پر بحث کی ہے۔ یہ سات مضامین ہیں "شعر کی ظاہری ہئیت"، "شعر کی داخلی ہئیت"، "شعر کا ابلاغ"، "نئی شاعری، ایک امتحان (ماہنامہ، کتاب، کے سوالنامے کا جواب)"، "ہندوستان میں نئی غزل"، "اردو زبان و آہنگ کے کچھ مسائل"، "ترسیل کی ناکامی کا المیہ"۔ ان مضامین میں شمس الرحمٰن

فاروقی نے جدید ادب کی حمایت کی ہے، مگر اس حمایت میں ہٹ دھرمی نہیں بلکہ منطق اور دلیل ہے۔ یہاں تیر مسعود کے تبصرے کا وصف دیکھیں کہ انھوں نے فاروقی کے اسلوب میں جو الجھاؤ ہے اس پر بھی بات کی ہے:

> ''بیانات کی توضیح اور توضیح در توضیح کے باوجود فاروقی کے بعض مضامین الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔'' (۳)

اس کے بعد تبصرہ کے حوالے سے تیر مسعود کے ہاں رسالہ "شب خون" کا شمارہ۵۹، جلد۵، اپریل ۱۹۷۱ء بہت اہم ہے اس شمارے میں تیر مسعود نے بالترتیب "غالب کا فن"، "پیغمبرانِ سخن"، "انیسویں صدی میں بنگال میں اردو"، "جگر بریلوی: شخصیت اور فن"، "بڑی حویلی"، "محمد علی جناح" جیسی چھے کتابوں پر تبصرے لکھے ہیں۔ رسالہ "شب خون" میں شمس الرحمٰن فاروقی "کتابیں" کے عنوان سے ایک گوشہ قائم کرتے تھے جس میں مختلف کتابوں پر تبصرہ شائع ہوتا تھا۔

اس شمارے میں پہلی کتاب اسلوب احمد انصاری کی کتاب "غالب کا فن" ہے جو پہلی بار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شائع ہوئی۔ غالب صدی کے حوالے سے ہندوستان اور پاکستان سے غالبؔ کے حوالے سے بہت سی تحریریں لکھی گئی ہیں جن میں کچھ نہ کچھ کمی رہ گئی ہے یہ کتاب بھی تفہیم غالب کے سلسلہ میں ایک خوش آئند اضافہ ہے۔ اسلوب احمد انصاری اپنی کتاب میں غالب کے حوالے سے جو نظریات سامنے لاتے ہیں، تیر مسعود نے ایک مدلل گفت گو کے ذریعے اُن پر بات کی ہے۔ اسلوب احمد انصاری کی ایک رائے جس پر تیر مسعود نے بھی اتفاق کیا ہے کہ:

> ''اسلوب صاحب کا یہ خیال بہت درست ہے کہ آئرستانی شاعر ڈبلیو۔ بی ییٹس کے فارمولے کے مطابق غالب کی شاعری ان کے اپنے آپ سے دست و گریباں ہونے کے نتیجے کے طور پر عالمِ وجود میں آئی ہے اور اس عمل کو خارجیت کا جامہ پہنانے کے لیے انھوں زبان کو انتہائی نفاست، پرکاری اور گہری اشاریت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔'' (۴)

اس کے ساتھ تیر مسعود نے اسلوب احمد انصاری کے کچھ نظریات کے ساتھ اختلاف قائم کرکے

ایک منصف اور کامیاب مبصّر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میر مسعود نے "غالب کا فن" میں اسلوب احمد انصاری کی اس رائے پر اتفاق کرنے میں مشکل کا لفظ استعمال کیا ہے کہ غالب کی اردو اور فارسی شاعری میں بنیادی فرق فارسی غزل میں راویت کی پاسداری ہے، اور مروجہ اسالیب کو ہم واری اور احساسِ تکمیل کے ساتھ برتا ہے اور اردو میں غالب نے آزادہ روی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نظریے کے ساتھ میر مسعود متفق نہیں ہیں بلکہ یوں کہتے ہیں:

> "اسلوب صاحب نے غالب کی فارسی غزل میں جس روایت کی پاسداری کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ہند فارسی شعرا خصوصاً بیدل کی روایت ہے جس کی چھاپ غالب کی غزل پر بہت گہری ہے۔ فارسی شاعری کے میدان میں اس روایت کی پہلے سے موجودگی کی وجہ سے غالب کی فارسی غزل ہمیں بہت زیادہ اجنبی اور منفرد محسوس نہیں ہوتی۔" (۵)

اشعار کے انتخاب میں میر مسعود کو جزوی طور پر اختلاف ہے کہ اس انتخاب سے مطالب کی طرف واضح راہنمائی نہیں ملتی اور اشعار کے انتخاب میں زیادتی سے کام لیا گیا ہے۔

دوسری اہم کتاب "پیغمبرانِ سخن" ہے۔ یہ کتاب سردار جعفری کی ہے جو ممبئی سے مکتبہ گفت گو کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر سردار جعفری کے لکھے ہوئے تین شاعروں پر دیباچوں پر مبنی ہے۔ ان تین شاعروں میں کبیرؔ، میرؔ اور غالبؔ ہیں۔ میر مسعود کے ہاں یہ تینوں شاعر ایک ہی کڑی ہیں لہٰذا ان دیباچوں میں ایک معنوی ہم آہنگی ضرور ہے۔ اس تبصرہ میں سردار جعفری کے بہت سارے نظریات سے میر مسعود نے اختلاف کیا ہے، جہاں سردار جعفری کہتے ہیں کہ کبیرؔ کی شاعری صاحبِ اقتدار طبقے کے خلاف محکوم طبقے کا احتجاج ہے۔ تو میر مسعود یوں لکھتے ہیں:

> "ظاہر ہے کہ تصوف کی اصل کے بارے میں یہ نظریہ بہت زیادہ قابلِ قبول نہیں ہے اور اس سلسلے میں سردار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے سردار جعفری نے جو طرزِ استدلال اختیار کیا ہے اور جس طرح اپنے مباحث کو ترتیب دیا ہے وہ اُن کی غیر معمولی ذہانت اور تنقیدی سلیقہ

مندی کا ثبوت ہے۔"(۶)

تیّر مسعود نے میرؔ کی شعری عظمت کے حوالے سے جو رائے قائم کی ہے وہ میرؔ سے کم درجے کے شاعر پر بھی صادق آتی ہے۔اس کے علاوہ میرؔ کے دیوان کے بارے میں سردار جعفری کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ دیوان زمانے کے درد غم کا مجموعہ ہے اور اس کے لیے جو شعر پیش کیا ہے تیّر مسعود نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اسے اجتماعی احساس کی بجائے میرؔ کا ذاتی احساس قرار دیا ہے۔اس کے علاوہ بھی میرؔ کے ضمن میں تیّر مسعود سردار جعفری سے کچھ زیادہ مطمعن نہیں ہیں البتہ غالب کے ضمن میں کچھ اتفاق نظر آتا ہے لیکن شاعری کے حوالے سے تیّر مسعود کا فکری نظام بہت فعال ہے وہ فارسی، عربی شاعروں کے اسلوب سے بھی واقف تھے۔سردار جعفری نے غالب کے ہاں تصوف کو زیادہ اہمیت دی ہے جب کہ تیّر مسعود یوں کہتے ہیں :

> "ہمہ اوست کا نظریہ غالب کے صوفیانہ مزاج کی صرف ایک لہر تھا، اُن کا مستقل عقیدہ نہ تھا نہ اس نظریے کی کوئی مرکزی اہمیت غالب کے کلام میں نظر آتی ہے۔ لہٰذا سردار کا یہ خیال کہ غالب کا فلسفۂ نشاط و غم ان کے نظریۂ ہمہ اوست کی دین ہے، بنیادی حیثیت سے ہی غلط معلوم ہوتا ہے۔"(۷)

ان اختلافات کے باوجود تیّر مسعود سردار جعفری کے نثری اسلوب کے مداح ہیں۔

اسی شمارے میں ایک کتاب "انیسویں صدی میں بنگال میں اردو" پر بھی تیّر مسعود کا تبصرہ موجود ہے۔ یہ کتاب جاوید نہال کی ہے اور کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب دراصل ڈی لٹ کا مقالہ ہے جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔تیّر مسعود نے اس تبصرہ میں ایک محقق کی تحقیقی کاوشوں کو سراہا ہے جن جن ماخذات کی تلاش میں مصنف نے جس طرح محنت کی ہے تیّر مسعود نے اس دادِ تحسین سے نوازا ہے۔اس کتاب میں کئی گم نام مصنفوں اور گم ناموں کتابوں کو روشناس کروایا گیا ہے۔

تیّر مسعود نے تحقیقی سطح پر ہونے والی عام غلطیوں کا بھی اظہار کیا ہے۔ عام طور پر یونیورسٹیوں میں ہونے والی تحقیق میں محققین بے محل قیاسی آرائیوں سے کام لیتے ہیں یہی غلطی یہاں بھی موجود ہے۔ تیّر مسعود نے کتاب سے ایک اقتباس یہاں کوڈ کیا ہے کہ مولوی وحشت کا انتقال ۱۲۷۴ھ میں ہوا اور بہ قول ناسخ موت کے وقت وہ جوان تھے اس لیے اُن کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ اس لیے اُن کا سالِ

پیدائش ۱۲۲۴ھ (۱۲۳۴ھ) قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کم عمری ہی میں وحشت درجۂ استادی کو پہنچ چکے تھے اور اُن کے شاگردوں کی خاصی تعداد تھی۔ (ص۴۹۹)اس کے جواب میں تیّر مسعود اپنی رائے یوں دیتے ہیں :

> ”جب نساخ کا قول موجود ہے کہ موت کے وقت وحشت جوان تھے تو بلا ضرورت اُن کی عمر چالیس سال فرض کر لینا اور اس مفروضے کی مدد سے اُن کا قیاسی سال پیدائش متعین کرنا اور اس قیاسی سالِ پیدائش کی روشنی میں پلٹ کر پھر یہی نتیجہ نکالنا کہ وحشت کم عمری میں استادی کے درجے کو پہنچ گئے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی قیاسی سالِ پیدائش سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وحشت کے شاگردوں کی خاصی تعداد تھی تحقیق کی حدود سے غیر معمولی تجاوز کی مثال ہے۔“ (۸)

اسی طرح سید انشاء کے بیان میں ایسی مثال ملتی ہے، پھر خطوط کی غلط خوانی بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ ناموں کے اندراج میں غلطی ہے جس کی نشاندہی تیّر مسعود نے کی ہے۔

ایک کتاب "جگر بریلوی: شخصیت اور فن" پر بھی تیّر مسعود کا تبصرہ موجود ہے۔ یہ کتاب مالک رام اور سیفی پریمی کی مرتبہ کتاب ہے، جس میں مختلف مضامین اکھٹے کیے گئے ہیں۔ منشی شیام موہن لال جگر بریلوی ایک کہنہ مشق شاعر تھے جن پر اس طرح کی کتاب ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ تیّر مسعود نے اس کتاب میں پہلا مضمون "میری تعلیم و تربیت اور ملازمت " اور دوسرا مضمون "میری اہلیہ "خود جگر بریلوی کا مضمون ہے یہ دونوں مضمون اس کتاب میں شامل اہم مضامین ہیں۔ تیّر مسعود نے اس کتاب کی اشاعت میں ایک خامی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کتاب میں تیرہ مضامین کے ساتھ ہمدرد دواخانے کا ایک اشتہار بھی شامل ہے۔

"بڑی حویلی" مرزا محمود بیگ کی کتاب ہے جس پر تیّر مسعود کا تبصرہ اسی شمارے میں شامل ہے۔ یہ کتاب اٹھتر صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں چودہ مضامین ہیں۔ کئی مضامین ریڈیو پر نشر ہونے والی مزاحیہ تقریریں ہیں۔ اس کتاب میں بیگ صاحب نے پرانی دلی کے حوالے سے جو مضامین لکھے ہیں تیّر مسعود کو وہ بہت اچھے لگے ہیں۔ ممانی جان اور اُن کی حویلی میں دلی تہذیب کے خوبصورت نمونے پڑھنے کو ملتے

ہیں۔

"محمد علی جناح" ایک ایسی کتاب ہے جس کا ماخذ کانجی دوارکاداس کی دو انگریزی کتابیں ہیں جن میں قائدِ اعظم پر کافی معلومات فراہم کی گئی ہے اسی معلومات کو سید شہاب الدین دسنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ تیّر مسعود نے اس کتاب پر تبصرہ میں لکھا ہے کہ کانجی دوارکاداس ایک ہندوستانی تھا جس نے قائدِ اعظم پر بہت صاف لکھا ہے۔ تعصّبات سے اُن کا ذہن حیرت انگیز طور پر صاف ہے۔ کانجی نے جو رائے دی ہے اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء تک قائدِ اعظم پاکستان نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ وہ متحدہ ہندوستان کے لیے کام کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کے لیے مراعات حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن اس حوالے سے کوئی کانگریسی راہنما تیار نہیں تھا۔ جب کانگریسوں نے دیکھا کہ برطانیہ سمجھوتے پر آمادہ ہے تو انھوں نے قائدِ اعظم کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد تیّر مسعود کے ہاں ایک تبصرہ صفدر آہ کی کتاب "میر اور میریات" پر ملتا ہے۔ یہ تبصرہ رسالہ "کتاب" شمارہ ۱۱۴، اپریل ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ تیّر مسعود نے ہر تبصرہ سے پہلے کتاب کے سال اشاعت، قیمت اور ملنے کے پتے اور مصنف کا بھی تعارف کروایا ہے۔ "میر اور میریات" پر تبصرہ کرنے سے پہلے تیّر مسعود نے میر کی زندگی پر اپنی فکر کا اظہار بھی کیا ہے۔ کیوں کہ میر شناسی میں تیّر مسعود نے خود بھی کئی مضامین لکھے ہیں اس حوالے سے تیّر مسعود کی صفدر آہ سے بھی ہم آہنگی ہے۔ میرؔ کے حوالے سے جن مسائل کا اظہار تیّر مسعود نے اپنے مضامین میں کیا ہے انھیں مسائل کو حل کرنے کے لیے صفدر آہ نے بھی یہ کتاب لکھی ہے، جس باعث تیّر مسعود نے کتاب کی طرف جلد جانے کی بجائے میرؔ کی ذاتی زندگی کے بارے میں تھوڑا سا تفصیل سے لکھا ہے۔

میرؔ کی زندگی ایسی ہے کہ جس پر لکھنے والوں کے بیانات میں تضاد ہے بلکہ خود میرؔ نے اپنی زندگی کے بارے میں ذکرِ میر اور فیضِ میر میں جو بیانات دیے ہیں اُن میں بھی تضاد ہے جس وجہ سے میرؔ کے شعری افکار اور ذاتی زندگی میں بہت الجھاؤ پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر صفدر آہ کو یہ افضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے میرؔ کے فن کے بارے میں پہلی مستقل تصنیف "فلسفۂ میر" لکھی۔ صفدر آہ کے دیگر علمی ادبی کارناموں کے بارے میں تیّر مسعود نے اور بھی انکشافات کیے ہیں۔ مگر "میر اور میریات" پر تبصرہ کرتے ہوئے تیّر مسعود

نے ایک اہم رائے یوں دی ہے:

> ''اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں میر کے متعلق بیشتر، متضاد معلومات کا تجزیہ کرکے ان کے تضاد کو رفع کیا گیا ہے۔اس ضمن میں بہت سے مباحث پر نئے زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور نئے نقطہ نظر پیش کیے گئے ہیں۔کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں میرؔ کو سمجھنے کے لیے نفسیاتی تحلیل سے عمدہ کام لیا گیا ہے۔'' (۹)

نیّر مسعود نے کتاب کے موضوع سے لے کر مواد اور اسلوب تک تمام اجزا کو دیکھا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس کتاب کے کمزور پہلوؤں کی طرف نشان دہی بھی کی ہے ایک تو یہ کتاب کتابت کی غلطیوں سے پاک نہیں ہے دوسرا یہ کہ چند فرو گزاشت ایسی ہیں جن کی تصحیح ضروری ہے مثلاً:

> ''خاکسار کے تذکرے کا نام بعض محققین کی تاسّی میں "معشوق چہل سالۂ خود" لکھا گیا ہے۔یہ غلط فہمی تذکرۂ خاکسار کے متعلق میرؔ کے اس جملے کا صحیح مطلب نہ سمجھنے سے عام ہوئی ہے:
>
> ترجمہ: "معشوق چہل سالۂ خود" لکھا ہے، مگر دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکسار نے اپنے چالیس سالہ معشوق کے نام سے ایک تذکرہ لکھا ہے۔چناں چہ ایک محقق کا خیال ہے کہ اس سے مراد قائم چاند پوری کا تذکرہ "مخزن نکات" ہے اور دراصل "مخزن نکات" محمد یار خاکسار کی تالیف ہے جس پر انھوں نے مصنف کی حیثیت سے قائم کا نام ڈال دیا ہے۔'' (۱۰)

"دیوانجلی" ساغر مہدی کی نظموں کا مجموعہ ہے، جو دسمبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں اُن کی کچھ ادبی اور کچھ محسوساتی نظمیں شامل ہیں۔یہ نظمیں آل انڈیا ریڈیو اور سانگ اینڈ ڈرامہ ڈویژن کے شکریے کے ساتھ شامل کی گئی ہیں۔ "دیوانجلی" پر تبصرہ رسالہ "کتاب" میں لکھنؤ سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔اس کتاب کا پہلا حصہ "پتھر پہ اک گلاب ہمیشہ کھلا رہا" کے عنوان سے ہے۔اس حصہ میں ایسی نظمیں شامل کی گئی ہیں جن میں قومی شاعری کے احساسات نظر آتے ہیں۔دوسرا حصہ "اس دور میں صدیوں کے

بھرم ٹوٹ رہے ہیں "کے عنوان سے ہے۔ تیّر مسعود نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں آپ کی ملاقات ایک شاعر سے ہوتی جو بیک وقت ذاتی اور خارجی زندگی کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں مبتلا ہے۔

"ہنوز شیشہ گراں "ڈاکٹر کیسری کشور کی کتاب ہے۔ جو کہ شعری مجموعہ ہے اور کتاب نگر لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر کیسری کشور تیّر مسعود کے ایسے دوستوں میں شامل ہیں جن پر تیّر مسعود نے ایک خاکہ بھی لکھا اور وہ خاکہ "ادبستان "میں شامل ہے۔ کیسری کشور کی کتاب پر تبصرہ کا واقعہ بھی خاکے میں شامل ہے۔ ڈاکٹر کیسری کشور کی اچانک وفات نے اُن کے سب دوستوں کو حیران کر دیا۔ یہ تبصرہ اُس وقت لکھا گیا جب کیسری کشور سخت بیمار تھے۔ جس میں کیسری کشور سے احساسات بھی اور نوعیت کے ہیں۔ اس تبصرہ میں زیادہ تر کیسری کشور کے شعروں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ یہ تبصرہ ۷ جولائی ۱۹۷۹ء کو بمبئی سے " بلٹز "میں شائع ہوا۔ دو دن بعد کیسری کشور فوت بھی ہو گئے تھے۔ (") کیسری کشور کے ساتھ تیّر مسعود کو بہت وابستگی تھی ایک تو غیر مسلم ہو کر اردو کے شاعر تھے اور پھر تیّر مسعود کو اُن کی شاعری پسند بھی بہت تھی۔

کاظم علی خاں کی کتاب "تلاشِ تعبیر "پر تیّر مسعود کا تبصرہ رسالہ "آج کل "شمارہ ۳، اکتوبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب پر تبصرہ میں تیّر مسعود نے مرثیہ، مرزا دبیر اور انیسؔ کے حوالے سے بات کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مرزا دبیر کو اپنی زندگی میں بہت شہرت ملی یہاں تک کہ اُن کی زندگی میں ہی ایک مستقل کتاب ("شمس الضحیٰ "از صفدر حسین) لکھی گئی تھی۔ بعد میں میر انیسؔ کے بارے میں بہت زیادہ تحریریں سامنے آنا شروع ہوئیں جو یہاں تک پہنچیں کہ غالب اور اقبال کے بعد انیسؔ سب سے زیادہ پڑھے جانے والے شاعر ہیں۔ اب دبیرؔ کی طرف توجہ بہت کم ہو گئی نہ ہونے کے برابر ہو گئی اس تناظر میں "تلاشِ تعبیر "مرزا دبیرؔ کو روشناس کرانے میں ایک بہت اہم اور کامیاب کوشش ہے۔ اس کتاب میں دبیرؔ کے مرثیوں کے اشاریے بنا دیے گئے ہیں۔ دبیرؔ کے "دفترِ ماتم "کی بیس جلدوں کے متعلق درست معلومات فراہم کر دی گئی ہے۔ کاظم علی خاں کی اس کتاب کے بارے میں تیّر مسعود کی ایک رائے ملاحظہ فرمائیں:

"یہ کتاب ایک طرف عام پڑھنے والوں کو مرزا دبیرؔ کے وزن و وقار کا اندازہ کراتی

ہے۔ دوسری طرف مرزا دبیر پر کام کرنے والوں کو طرح طرح سے رونما کرتی ہے۔
مثلاً مضمون "دبیر نما" میں سواد و سوانحی کتابوں اور متفرق تحریروں کی نشان دہی کی
گئی ہے جن میں مرزا دبیرؔ کی شخصیت اور فن سے متعلق مواد موجود ہے۔" (۱۲)

تیّر مسعود نے سید علی احمد دانشؔ کی کتاب "عکسِ زار" پر بھی تبصرہ کیا۔ یہ تبصرہ رسالہ "نیا دور" شمارہ ۳، جون ۱۹۹۰ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ تیّر مسعود نے "عکس زار" کے تعارف میں یہ بتایا ہے کہ یہ کتاب بارہ تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جس میں دس مضامین کا تعلق انیسؔ اور رثائی شاعری سے ہے۔ مصنف کے تعارف کے ضمن میں تیّر مسعود بتاتے ہیں کہ علی احمد دانش سید محمد ہادی لائق مرحوم کے فرزند ہیں۔ سید محمد ہادی لائق مرحوم لکھنؤ کی تہذیبی تاریخ کا جیتا جاگتا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ میر انیسؔ کے بارے میں ان کے پاس معلومات براہ راست اور سینہ بہ سینہ پہنچنے والی روایات کا بڑا ذخیرہ تھا۔ سید محمد ہادی لائق مرحوم کی لکھنے کی طرف توجہ نہ تھی اور اچانک ۸ مئی ۱۹۷۷ء کو فوت ہو گئے۔ ادبی حلقوں میں اس نقصان کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اس کمی کا ازالہ اُن کے فرزند علی احمد دانش نے "عکسِ زار" لکھ کر کیا۔ اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں تیّر مسعود کی یہ رائے اہم ہے:

"ان مضامین کی تیاری میں دانش نے دوسرے ماخذوں کے علاوہ خصوصیت کے
ساتھ لائق مرحوم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں سے سنی ہوئی روایتوں اور
اپنے یہاں کی دستاویزوں سے مدد لی ہے اور بڑی تعداد میں ایسی معلومات فراہم
کر دی ہیں جو ہمیں کسی اور وسیلے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔" (۱۳)

تیّر مسعود نے ایک کتاب "مصطلحاتِ ٹھگی" جو رشید حسن خان کی مرتبہ کتاب ہے اُس پر تبصرہ کیا جو رسالہ "اردو ادب"، شمارہ ۳۲۲، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۳ء میں نئی دہلی سے شائع ہوا۔ اس کتاب پر تیّر مسعود نے تبصرہ خاصا تفصیل سے کیا ہے۔ لفظ ٹھگی کا پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں ٹھگی کا لفظ کسی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستان، پاکستان میں ٹھگی سے مراد دھوکا یا لالچ دے کر کسی کا مال یا منافع حاصل کرنا۔ ٹھگی باقاعدہ ایک فن تھا جس میں ٹھگوں کی اپنی ایک زبان اور رسوم و رواج تھے۔ اردو میں انیسویں صدی میں "مصطلحاتِ ٹھگی" لکھی جا چکی تھی۔ لیکن لوگوں کا ٹھگی پر باقاعدہ رجحان فلیپ

میڈوز ٹیلر کے ناول "کنفشنس آف اے ٹھگ" کے اردو ترجموں سے ہوا۔ یہ ناول ایک ٹھگ امیر علی کی داستانِ حیات کے طور پر لکھا گیا۔ اس ناول کے بعد میں کئی ترجمے شائع ہوئے جن میں ایک اہم ترجمہ حسن عابد جعفری کا ترجمہ ہے۔

کرنل ولیم ہنری سلیمن نے مختلف ٹھگوں سے پوچھ پوچھ کر ان کے حالاتِ زندگی اور زبان کے بارے میں معلومات اکھٹی کیں، لفظوں کو جمع کیا۔ اس کی کتاب "رماسیانا" اس ضمن میں اہم کتاب ہے۔ پھر اسی کے کہنے پر علی اکبر الہ آبادی نے ٹھگوں کے مصطلحات پر اردو اور فارسی میں کتابیں لکھیں۔ رشید حسن خاں نے انھی کتابوں کے متن سے اپنی کتاب "مصطلحاتِ ٹھگی" تیار کی۔

اس کتاب کے متن کے مطابق ٹھگ ہندوں ہوں یا مسلمان ہوں کالی ماں کو اپنی دیوی مانتے تھے۔ کالی ماں کو دیوی ماننے کے بعد اپنے اپنے عقائد پر کاربند بھی رہتے تھے، ٹھگ نماز، روزہ کے بھی پابند ہوتے تھے ان کی سات ذاتیں تھیں اور چور اسی فرقے پیدا ہوئے جن کے نام بھی تیر مسعود اس تبصرہ میں لکھے ہیں۔

اعتقادات کے حوالے سے مختلف ٹھگوں کے مختلف نظریات تھے اور ٹھگی کرنے کے مختلف طریقے، کچھ رومال کا استعمال کرتے تھے بے ہوش کرنے کے لیے، کچھ گلا گھونٹ کر، کچھ مسافروں کو زہر دے کر، کچھ مختلف بھیس بدل کر قافلوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہاں مختلف شگون تھے۔ رشید حسن خاں نے ٹھگوں کی فرہنگ ترتیب دی ہے۔ اس بارے میں تیر مسعود یوں لکھتے ہیں:

> ''رشید حسن خاں نے اس فرہنگ کو حسبِ معمول بہت سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ انھوں نے اس کے دستیاب نسخوں کی مدد سے وہ سب الفاظ بھی اپنی ترتیب میں شامل کر لیے ہیں جو کسی اڈیشن میں تھے، کسی میں نہیں تھے۔ حواشی میں مولوی ظفر الرحمٰن کی فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں، سے بھی کام لیا گیا ہے حال آں کہ اس کا ماخذ بھی "مصطلحاتِ ٹھگی" ہی ہے۔'' (۱۴)

رشید حسن خاں نے اپنی کتاب میں فارسی کے اصل متن کے نمونے بھی شامل کیے ہیں۔ یہ صرف اور صرف ایک لغت نہیں بلکہ قاری اس کے مطالعے سے ٹھگوں کے طور طریقوں میں خود کو شامل

محسوس کرتا ہے۔

تیر مسعود نے ایک کتاب "بحر المنافع" جو کہ ٹیپو سلطان کی ایک نادر کتاب ہے اس پر بھی تبصرہ کیا جو رسالہ "مخزن" شمارہ۲، ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ "بحر المنافع" کے دو مخطوطے تیر مسعود کے علم میں تھے جب کہ ایک مخطوطہ انھیں دیکھنے کو ملے جب کہ ایک مخطوطہ اُن کو میسر نہیں ہوا۔ جو مخطوطہ تیر مسعود کو دیکھنے کو ملا وہ لکھنؤ کے مشتاق حسین کی ملکیت ہے انھی کی محبت سے یہ مخطوطہ تیر مسعود کے پاس چند دن رہا۔ مخطوطے کی حالت بہت خراب ہے۔ اس مخطوطہ کے دیباچہ کی عبارت جو کہ فارسی میں ہے اس کا ایک اقتباس تیر مسعود نے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ یہاں فارسی عبارت کے ترجمے میں غلطی سے کچھ مباحث جنم لیتی ہیں جن میں ایک تو یہ کہ اس کتاب کو "مولود محمد" نامی شخص کی تصنیف سمجھا جانے لگا اور دیباچہ سے محسوس ہوتا ہے کہ کتاب ٹیپو سلطان کی ہے تو خاتمہ سے ضیابن خواجگی کی تصنیف محسوس ہوتی ہے۔ تیر مسعود نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''اب کتاب کی تالیفی صورت یہ سامنے آتی ہے کہ ٹیپو سلطان نے بہ ذاتِ خود صرف قدیم طبّی نسخوں کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ پھر سلطان ہی کے حسبِ تجویز ضیا نے اس میں دوسرے "فوائد لائقہ و عوائد ملحقہ" شامل کر کے (جن کی تعداد مقابلہ، بہت زیادہ تھی) ایک ضخیم کتاب مرتب کر دی۔ اس طرح "بحر المنافع" مجموعی حیثیت سے ضیا کی اور جزئی لیکن بنیادی طور پر ٹیپو سلطان کی تالیف ہے۔''(۱۵)

اس کتاب کی پانچ قسمیں اور ہر قسم میں چند ابواب اور فصلوں پر مشتمل ہے۔ تیر مسعود نے اس کا اظہار کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

اس بات کے اقرار میں کوئی دقت نہیں کہ جس زمانے میں تیر مسعود کا تعارف محقق، نقاد اور افسانہ نگار کے طور پر ہوتا ہے اُسی زمانے میں اُن کے ہاں مختلف اہم کتابوں پر کچھ تبصرے بھی ملتے ہیں، جن میں "تنقیدی مطالعے"، "لفظ و معنی"، "غالب کا فن"، "پیغمبرانِ سخن"، "انیسویں صدی میں بنگال میں اردو"، "جگر بریلوی شخصیت اور فن"، "بڑی حویلی"، اور "محمد علی جناح" جیسی کتابیں شامل ہیں۔ یہاں تیر مسعود کے ہاں یہ رجحان بھی ملتا ہے کہ اُن کی کوشش رہی ہے کہ ایسی کتابوں کو سامنے لایا جائے

جن کے حوالے سے غفلت برتی جارہی ہو یا کسی تعصب کی بنیاد پر یا سیاسی انتقام کی بدولت کسی کی سیاسی شخصیت کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ اس شخصیت کی ادبی حیثیت کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہو۔

افسانہ لکھنے سے پہلے ہی اُن کے ہاں انور سیلونی کی کتاب "تنقیدی مطالعے" اور شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب "لفظ و معنی" پر تبصرہ ملتا ہے۔ لیکن خود نیّر مسعود کے حوالے سے بھی یہی رویہ سامنے آتا ہے کہ اُن کی اس جہت کا پس پشت ڈالنے کی شعوری کوشش ملتی ہے۔ بطور محقق، نقاد اور افسانہ نگار ہی اُن کو اہم تسلیم کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۱ء تک اُن کی تقریباً آٹھ اہم کتابوں پر تبصرے ملتے ہیں۔

نیر مسعود کے تبصروں کے تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے تبصرے یقیناً گہرے مطالعے کے متقاضی ہیں، جو نکات وہ اٹھاتے ہیں وہ مطالعے کے بغیر نہیں اُٹھائے جا سکتے۔ دوسری بات یہ کہ نیّر مسعود کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق انھوں نے ہر اس تحریر کو سامنے لانے کی کوشش کی جس کو زمانہ کئی وجوہات کی بنا پر فراموش کر رہا تھا، نیّر مسعود کی تمام ادبی جہات کی یہ واضح خوبی ہے کہ اُن کا رجحان کلاسیکی مشرقی متون کی طرف رہا ہے یہاں بھی ہمیں ایسی ہی کتابیں ملتی ہیں۔

حواشی

۱۔ یوسف سرمست، ادب نقدِ حیات (حیدر آباد: آل انڈیا اردو ریسرچ اسکالر کونسل، پہلی اشاعت دسمبر ۱۹۹۳ء)، ص ۱۶۸تا۱۶۹۔

۲۔ نیّر مسعود، تبصرہ بر "لفظ و معنی" از شمس الرحمٰن فاروقی، مشمولہ: کتاب، شمارہ ۳۷، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۶۹ء، ص ۸۱۔

۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۴۔ نیّر مسعود، تبصرہ بر "غالب کا فن" از اسلوب احمد انصاری، مشمولہ: شب خون (ماہنامہ)، شمارہ ۵۹، جلد ۵، الہ آباد، اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۷۲۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ایضاً، ص ۷۳۔

۷۔ ایضاً، ص ۷۴۔

۸۔ ایضاً، ص۷۵۔

۹۔ تیر مسعود، تبصرہ بر ''میر اور میریات'' از صفدر آہ، مشمولہ: کتاب، شمارہ۱۱۴، لکھنؤ، اپریل ۱۹۷۳ء، ص۱۰۰۔

۱۰۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

۱۱۔ راقم کو یہ تبصرہ تیر مسعود کے ذاتی رجسٹر سے ملا ہے جس کے اختتام پر تیر مسعود نے اپنی یادداشت کے لیے ڈاکٹر کیسری کشور کی تاریخ وفات بھی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ وفات یوں لکھی ہوئی ہے ''۹جولائی ۱۹۷۹ء بارہ بجے دن کو ڈاکٹر کیسری کشور نے قلبی دورے میں انتقال کیا۔''

۱۲۔ تیر مسعود، تبصرہ بر ''تلاشِ تعبیر'' از کاظم علی خاں، مشمولہ: آج کل (ماہنامہ)، شمارہ۳، جلد۳۹، نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص۴۷۔

۱۳۔ تیر مسعود، تبصرہ بر ''عکس زار'' از علی احمد دانش، مشمولہ: نیادور (ماہنامہ)، شمارہ۳، جلد۴۵، لکھنؤ، جون ۱۹۹۰ء، ص۴۶۔

۱۴۔ تیر مسعود، تبصرہ بر ''مصطلحاتِ ٹھگی'' از رشید حسن خاں، مشمولہ: اردو ادب (سہ ماہی)، شمارہ۳۲۲، نئی دہلی، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص۱۶۸۔

۱۵۔ تیر مسعود، تبصرہ بر ''ٹیپو سلطان کی ایک نادر کتاب'' از ٹیپو سلطان، مشمولہ: مخزن، شمارہ۲، جلد۴، لاہور، قائدِ اعظم لائبریری، ۲۰۰۴ء، ص۱۱۸۔